© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

قضا و قدر

قرآن کریم کی آیتِ کریمہ "بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ" کے مطالعہ سے درج ذیل اشکال ذہن میں ابھر رہے ہیں۔

آیت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی قرآن لوح محفوظ میں مکتوب شکل میں موجود تھا' جسے بعد میں تھوڑا تھوڑا کرتے ہوئے نازل کیا گیا۔ یعنی نبی اکرمؐ کی نبوت کے دوران گزرنے والے واقعات و حادثات' غزوات' سرایات' طائف کا سفر' حضور کا پتھر کھانا' صلح حدیبیہ وغیرہ پہلے سے ان کا ہونا طے شدہ حالت میں مکتوباً موجود تھا۔ تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات سے کیونکر گزارا گیا۔ اسے اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ سکرپٹ پہلے سے موجود تھا' جس پر بعد میں عمل کیا گیا۔

اس سے دوسرا پہلو بھی ذہن میں ابھرتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہونا تھا تو شیطان بھی پھر بے قصور ہے کہ اسے پہلے سے طے شدہ امر کے تحت ان مراحل سے گزارا گیا۔ اور اس نے بھی سکرپٹ کے تحت اپنا کردار ادا کیا۔ پھر اس کا قصور تو نہ ہوا۔ مزید یہ کہ اگر یہ ساری ڈرامائی تشکیل ہے تو ایکٹر کو اپنے کردار کا پہلے سے علم ہوتا ہے' تو اس پورے قرآن کو ڈرامائی تشکیل دینا ایکٹرز کے علم میں تھا یا نہیں ؟

آپ نے "فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ" کے متعلق جس اشکال کا ذکر کیا ہے' وہ اشکال درحقیقت قضا و قدر کے بارہ میں ہے۔ تقدیرِ الٰہی کا معاملہ صرف قرآن کریم میں لکھی ہوئی باتوں تک محدود نہیں۔ کوئی پتہ بھی ایسا نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو' اور جو ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا نہ ہو (الانعام : ۵۹)۔ بلکہ معاملہ علم سے بھی آگے ہے۔ زمین و آسمان میں ایک پتہ بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ کوئی کام' نیکی یا گناہ' اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اصل سوال یہ ہے کہ پھر اطمینان کیسے ہو کہ انسان مجبور نہیں' اور اپنے اعمال کے لیے جزا و سزا کا سزا وار ہے؟

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیے کہ یہ مسئلہ ذاتِ باری تعالیٰ' اور کائنات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے خلق و امر اور تدبیر و تصرف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اس کا کوئی ایسا جواب جو ہر شک اور ہر اعتراض کا ازالہ کر دے ممکن نہیں۔ ورنہ پھر ایمان بالغیب کے مطالبہ 'اور امتحان' اور اس پر حساب اور جزا و سزا کا کوئی جواز نہ رہتا۔ اگر شک و اعتراض کی کوئی گنجائش نہ رہے تو انسان ماننے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ ایمان میں جبر نہیں ہو سکتا۔ یہ اپنے اختیار کی بات ہے۔

دوسری بات یہ کہ انسان مخلوق کے ذہن سے' اور مخلوق کی زبان میں سوچتا اور اظہار مدعا کرتا ہے۔ خالق کے بارہ میں مخلوق کی فہم' تصورات اور زبان پوری حقیقت سمجھنے اور بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ اس لیے کہ خالق تو ایک ہی ہے (اَحَد)' اور باقی ہر چیز مخلوق۔ اس میں تشویش کی کوئی بات نہیں۔ انسان تو آج تک مادہ کی حقیقت کی تہہ بھی نہیں پا سکا ہے۔

اس لحاظ سے "پہلے" اور "بعد" کے الفاظ خالق کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وہ "اوّل" بھی ہے اور "آخر" بھی' "ظاہر" بھی ہے اور "باطن" بھی۔

تیسری بات یہ کہ اوّل آپ اس مسئلہ پر خالق کے پہلو سے غور کریں۔ اس کے علم کو لیجیے۔ اس کا علم اوّل و آخر پر محیط ہے۔ اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ کوئی مخلوق کل کیا کرے گی' تو وہ مخلوق' خالق کی طرح ہو جائے گی۔ خالق کا علم ناقص ہو گا۔ حالانکہ خالق کو احد اور کامل ہونا چاہیے۔ لیکن کیا اس کے اس علم سے کہ کل ایسا ہو گا' کسی کا مجبور ہو جانا' مسئول نہ ہونا' ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ نوکر کو بازار بھیجیں' کسی طرح آپ کو علم یقینی ہو جائے' بلکہ آپ مستقبل اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں' کہ وہ سودے میں چوری کرے گا' اور آپ اس بات کو لکھ بھی دیں ---- تو کیا آپ کے علم اور لکھ دینے سے وہ اپنے چوری کے جرم کے لیے مجبور ہو جائے گا۔

اب اس کی قدرت اور مشیت کو لیجیے۔ اگر کائنات میں ایک پتہ بھی اس کی اجازت کے بغیر ہلنے کی طاقت رکھتا ہو' تو خدائی سے باہر وہ پتہ خود ایک خدا ہو گا۔ لیکن کائنات میں دو خدا نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ کہا گیا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ اب مخلوق کے پہلو سے غور کریں۔ عملاً آپ کون سا کام کرنے کے لیے' کس نیکی کو کرنے کے لیے' کس برائی میں ملوث ہونے کے لیے' اپنے کو مجبور پاتے ہیں؟ آپ جو کام کرتے ہیں اپنے ارادہ سے کرتے ہیں۔ پھر نظری موشگافیوں میں الجھ کہ آپ انسان کو مجبور' بے قصور اور ایکٹر کیوں قرار دیں۔ انسان کا اپنے اعمال کے لیے مسئول ہونا تو اتنا صاف اور ظاہر ہے کہ آپ ایک کتے کو لکڑی سے ماریں' تو وہ بھی لکڑی کو کاٹنے نہیں دوڑے گا' آپ پر لپکے گا۔

ایک پہلو اور ہے۔ اگر انسان واقعی کلیتاً" مجبور ہی ہے' تو اسے اپنے بے قصور ہونے کا

© rasailojaraid.com